ڈاکٹر شگفتہ فردوس

استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

اقبال کی اُردو شاعری میں اخلاقی اقدار

Dr Shagufta Firdous
Assistant Professor, Department of Urdu, GC Women University, Sialkot.

Moral values in Iqbal's Urdu Poetry

Moral values are the essence of humanity, being a great Muslim philosopher Allama Muhammad Iqbal derived these absolute values by Quran –o- Sunnah. He advised Muslim to raise their level of morality by bravery, brotherhood, helping others, optimism, harmony and equality, these values provides personal autonomy and opportunities for the development of personality and character. He strongly believed if people are true to their faith and belief, they are above faith, this article presents the significance of moral values in Iqbal's Urdu poetry.

Keywords: *Value, Humanity, Moral, Brotherhood, Harmony, Equality, Optimism.*

اخلاق انسانیت کا بنیادی وصف ہے، جس سے فکرِ اقبال نہ صرف مزیّن ہے بلکہ قرآن سے اخذ کردہ نظریہ اخلاق ان کی شاعری میں ایجابی و سلبی دونوں صورتوں میں ملتا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار صائب و غیر صائب کو ممیّز کرنے میں اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ اان کے مختلف مدارج کو علامہ اقبال نے اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کیا۔ عصرِ حاضر میں انسان اپنی استدلالی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر آسمان کی وسعتوں سے ہم کنار ہو رہا ہے لیکن وہیں ان اقدار سے صرفِ نظر کرنے کی بنا پر اخلاقی تنزل کا شکار بھی ہے۔ اقبال صاحبِ بصیرت تھے، اس لیے لادینیت، تشکیک، نفس اور مادیت پرستی کے روحانی امراض فاسدہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ نوجوانانِ اسلام مغرب کے اس ظاہری طمطراق سے متاثر ہو کر مقاصدِ جلیلہ سے دور نہ ہو جائیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے نظریہ اخلاق کو دین پر استوار کیا اور آفاقی اقدار کی ترویج کے لیے کوشاں رہے۔ سوز و ساز حیات کے رمز شناس اقبال "اخلاق" کی وسعت اور اس اقوام کی تربیت میں عمیق اثرات سے بخوبی آشنا تھے۔ اس لفظ کے مآخذ پر غور کیا جائے تو یہ لفظ خلق کی جمع ہے جس کے لغوی معنی عادات و خصائل، فضیلت، ملنساری، انسانیت مروت، تہذیب نفس، سیرت

اور ریاستِ ملکی کے اصول کے ہیں۔ اسے اجتماعی زندگی کا جزو لاینفک قرار دیا گیا۔ اس حوالے سے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں درج ہے:

"معاشرتی معاملات طے کرنے کے اصول، وہ بات جو بھلائی اور برائی کی تمیز کرے، جو فضائل و رذائل کا علم بخشے۔ ایسا ضابطہ جس کی پابندی کے بغیر اجتماعی زندگی کا تصور محال ہے۔"(۱)

اس اجتماعی زندگی کو گزارنے کے لیے اللہ نے انسان کو مختلف صلاحیتوں سے نوازہ جو ظاہری و باطنی ہر دو صورتوں میں انسان کے لیے معاون ہیں ڈاکٹر انصار احمد کا کہنا ہے کہ انہی استعدادات کے مطابق انسان کو فطری طور پر نیکی و برائی میں فرق سکھایا گیا، اس طرح بعض اقدار دائمی ہیں۔(۲) ان دائمی اقدار کا کسی فلاحی معاشرے کی تکمیل و نمو میں بنیادی کردار ہوتا ہے، علاوہ ازیں اخلاقی اقدار تمام انسانوں کا مشترکہ ورثہ بھی قرار دی جاسکتی ہیں کیونکہ دنیا کے مختلف خطوں اور ثقافتوں میں ان کا وجود کسی نہ کسی صورت میں لازمی پایا جاتا ہے۔ یہ اقدار خیر وشر کے درمیان امتیاز کو واضح کرتی ہیں۔ "اس علم کا موضوع سیرتِ انسانی ہے جسے اعلیٰ اوصاف حمیدہ سے متصف کر کے انسان کو انفرادی و اجتماعی ہر دو حیثیتوں میں رشکِ کائنات بنانے کی سعی کی جاتی ہے۔ اخلاق کا تعلق نیت، مقصد، ارادے کی درستی کے ساتھ ظاہری نتائج و عواقب کے ساتھ بھی ہے(۳)۔ علاوہ ازیں علم الاخلاق منتہائے حیات کے حصول تک رسائی عطا کرتا ہے اس حوالے سے سعید احمد رفیق لکھتے ہیں:

" اس علم کا اصل موضوع سیرتِ انسانی ہے جس میں ان اصولوں کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے جن پر انسان کو عمل پیرا ہونا چاہیے اور اس معیار کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو ان اصولوں کو "صائب و غیر صائب" اور ان صفات کو "خیر و شر" بنانے کے ذمہ دار ہیں۔"(۴)

مفکرین نے اخلاقیات کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جن میں سے ایک گروہ صائب و غیر صائب، قانونی، داخلی اور خارجی اصولوں پر زور دیتا ہے جب کہ دوسرا گروہ غائتی اخلاقی اصولوں کا قائل ہے۔ اسی طرح ایجابی و سلبی اقدار بھی انفرادی و اجتماعی سطح پر منقسم ہوتی ہیں۔ اقبال کا دور چوں کہ مسلمانوں کے لیے ابتلاو آزمائش کا دور تھا اس لیے اقبال نے اپنے اخلاقی پیغام کے تعین میں سلبی اقدار سے گریز کرتے ہوئے انفرادی و اجتماعی سطح پر ایجابی اور غائتی اخلاقی اقدار کا انتخاب کیا۔ جس سے زبوں حال قوم میں خودی، خودداری اور عزت نفس کا احساس اجاگر کیا جا

سکتا تھا۔ اس حوالے سے خلیفہ عبدالحکیم بھی اقبال کے اس اخلاقی نظریے کو سراہتے ہوئے اسے وقت کی ضرورت قرار دیتے ہیں:

"ایسی حالت میں سلبی اور انفعالی اخلاق کی بجائے ایجابی اور فعالی اخلاق کی ضرورت تھی۔ اقبال نے اس ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور بڑے زور و شور سے ایجابی نفسیات اور اخلاقیات کی تلقین کی۔"(۵)

وہ عالم مجبور ہے، تو عالم آزاد　　　　ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے(۶)

اقبال اپنے اخلاقی نظریے کے حوالے سے غائتی ہیں کیوں کہ زندہ قومی تاکہ فرد کے ساتھ ملک و قوم ترقی کی اجتماعیت پر بھی نظر رکھتی ہیں۔ سعید احمد رفیق بھی اقبال کے اخلاقی نظریے کو مقصدیت کا حامل قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"اقبال اپنے نظریہ اخلاق میں غائتی ہیں۔ ان کے لحاظ سے ام لفضائل، خودی کی بلندی، انا کی توسیع، انفرادیت کی تکمیل، شخصیت کا استحکام، تکاثفی و تجازی حالت کا قیام ہے۔"(۷)

علامہ اقبال کے اس غائتی نظریہ اخلاق میں جلالی و جمالی عناصر کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے جہاں رزمِ حق و باطل میں قوت و شجاعت، جرات و بہادری کو اہم سمجھا وہیں حلقہ یاراں میں نرمی، ہمدردی، اخوت اور مساوات کو بھی یکساں اہمیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ کامل مسلم کے لیے قہاری و غفاری اور قدوسی و جبروت کو مرکزیت عطا کی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　　رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (۸)
تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل　　　　وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل (۹)
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر　　　　اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری (۱۰)

اقبال کے مابعد الطبیعاتی نظریہ اخلاق کا مرکز و ماخذ قرآن و سنت ہے، توحید میں اقرار باللسان کے ساتھ ساتھ تصدیق بالقلب کی بھی ضرورت ہے۔ یہی وہ جادۂ حق ہے جس پر گامزن ہونے والے اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ توحید ایک زندہ قوت کے طور پر موجود ہے جس سے اغماض کی کوئی صورت نہیں۔ اسی سے خودی جنم لیتی ہے۔ لیکن عہد حاضر میں لوگوں نے اسے فلسفہ تک محدود کرنا شروع کر دیا۔ علامہ اقبال توحید کے ذریعے مسلمانوں

میں روحانی اُبج پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خود شناس افراد کو کفِ ساحل سے دامن کھینچ کر رنگِ بحر ساحل سے آشنا کرنے کی سعی کی۔ اسی کے طفیل انسان حیاتِ ابدی و جاودانی حاصل کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر طرح کی سختیاں برداشت کرتا ہے۔ اس کی زندگی رضائے الٰہی کے حصول کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔ وہ سوال سے گریز کرتے ہوئے عزتِ نفس کو اولیت دیتا ہے۔:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم (۱۱)

قرآن کریم کی متعین کردہ اخلاقی اقدار نہ صرف مسلمانوں کے لیے مینارہ نور ہیں بلکہ اس کی ہمہ گیریت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ، مشہور مصنف بریفالٹ نے قرآنی اخلاقی اقدار کی وسعت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب "تعمیر انسانیت" میں لکھا:

"آزادی، مساوات، اخوت، مشورہ عوامی رائے دہندگی کے بلند اصول جنہوں نے فرانسیسی انقلاب اور اعلان حقوق آزادی میں روح پھونکی، جنہوں نے امریکی آئین کی رہنمائی کی اور لاطینی امریکہ کی جدوجہد آزادی کو تقویت بخشی، وہ اصول مغرب کے ایجاد کردہ نہیں بلکہ ان تمام کا منبع قرآن ہے۔"(۱۲)

خود شناسی کا دوسرا پہلو نبی آخر الزماں کی ہستی ہے۔ جن کو اپنا ہادی و رہبر بنا کر کے ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی سے ہم دنیا و آخرت میں سُرخرو ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ انسان کامل ہیں جن کے اخلاقی اوصاف پوری دنیا کے لیے مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ کو رحمت اللعالین بنا کر مبعوث کیا گیا اس لیے آپ ﷺ کی ہستی سراپا محبت وشفقت تھی جس سے انسانیت، نے بھائی چارے اور رواداری کی تعلیم لی۔، ان اعلیٰ اوصاف کی بنا پر بشر کو یہ اعزاز حاصل ہوا جس پر ملائکہ بھی رشک کریں۔ اقبال نے آپ کی زندگی کے تحرک کی مثالوں سے مغلوب دلوں میں عمل کی تمنا پیدا کی۔ جیسا کہ گوہر ملسیانی رقم طراز ہیں:

اقبال کو سیرتِ طیبہ کے وہ انداز از حد مرغوب تھے جن میں حرکت اور عمل کی دعوت ہے۔"(۱۳)

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسماں و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی!(۱۴)

اقبال بعض اخلاقی اقدار کو بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے لازم قرار دیتے ہیں ان میں خودی کو بہت اہمیت حاصل ہے یہ خوبی ان کے کلام میں "اُمُ الفضائل" کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے مراد خود نگری، عرفان نفس اور عرفان ذات ہے۔ اس کا فخر، غرور اور تکبر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے بیشتر بھی یہ تصور مشرق و مغرب میں کار فرما رہا جن میں جرمن فلسفی، ہیگل، کانٹ، گوئٹے اور نٹشے شامل ہیں۔ اسلامی فکر میں بھی امام غزالی، ابنِ عربی، ابنِ طفیل، منصور بن حلاج، جلال الدین رومی نے فلسفے جدید کے آنے سے کئی سو سال قبل اپنے طرز پر خودی کا ظہار کیا لیکن اقبال کے ہاں یہ تصور جلال و جمال کا مظہر ہے۔ اس میں قوت، شجاعت، بہادری، کوشش اور ہمت جیسی جلالی صفات ہیں تو دوسری جانب ہمدردی، اخوت اور مساوات جیسی جمالی خصوصیات بھی ملتی ہیں۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو توڑ سکتے ہیں		یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (۱۵)

جس سے ہو جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم		دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (۱۶)

اقبال خود شناسی کو خودی سے تعبیر کرتے ہیں اور خود شناس شخص عناصر پر حکمرانی کرنا جانتا ہے وہ قوت توحید سے مزین ہو کر ہر باطل کے مقابل ڈٹ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایمان کی عمیق وسعتوں، عزم و استقلال، جرات و بہادری اور تسخیرِ کائنات کے ذریعے سامنے آنے والی طاقت خودی کہلاتی ہے۔ خودی کی بنیاد عقیدہ توحید پر استوار ہے۔ اسی سے انسان میں وہ طاقت و جرات پیدا ہوتی ہے۔ جہاں وہ باطل خداؤں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ اور ایک خدا کی ذات پر اعتقاد اُسے ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔ سعید احمد فکر اقبال میں خودی کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں:

"اقبال خودی کے استحکام کو مقصود بالذات مانتے ہیں۔"(۱۷)

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی		نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر

خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب		خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر (۱۸)

اسی جذبہ خودی سے استحکام پانے والی ایک ایجابی قدر عشق بھی جو خودی کے استحکام کے ذریعے زندگی کا اعلیٰ نصب العین متعین کرتا ہے۔ اقبال عشق اور عقل و خرد کو فلاحِ انسانی میں ایک دوسرے کا معاون قرار دیتے ہیں۔ عقل راستہ دکھاتی ہے تو عشق منزل مقصود تک پہنچاتا ہے:

اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق		سنگِ امروز کو آئینہ فردا کر دیں (۱۹)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں		ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں (۲۰)

دنیا کی قوتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت عشق وخودی کو حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی انسان کو اسی کائنات پر غور وتدبر کے ذریعے مسخر کرنے کی دعوت دی۔ عشق ومحبت، ذکر، عرفان وبصیرت کے ساتھ عقل اور علم وفکر لازم ہیں۔ ان کے نزدیک فکر ووجدان ایک ہی چشمے سے نکلتے ہیں۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل　　　اگر عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل (۲۱)

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ　　　حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ (۲۲)

ادین اسلام فرد کو جماعت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے رہبانیت کا راستہ ترک کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے انسانوں کے دوسرے انسانوں پر حقوق کو بے حد اہمیت دی اور رہبانیت کے راستے کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ مادیت، وجودیت اور اثباتیت جیسے فلسفوں کے چنگل سے بچ کر اپنی مذہبی اخلاقی اقدار ور روایات کی جانب راغب کیا۔ علامہ اقبال نے نسلِ انسانی کو ان کی گم گشتہ اخلاقی قدروں کی بازیافت کی راہ دکھائی جو ان کی زندگی میں مثبت تبدیلیاں لا سکے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری (۲۳)

اقبال نے مسلمانوں کو اس شاندار ماضی کا حوالہ دیا جب وہ دنیا پر حکمران تھے اور دین سے دوری کے باعث نئی نسلیں محکوم۔ اقبال نے انہیں وہ سر چشمہ اخلاق متعارف کروایا جس سے ان کے آباء نے ہمیشہ تقویت حاصل کی اور وہ باطنی وروحانی عقائد، اخلاقی قوانین وضوابط کی پاسداری کے ذریعے بے یقینی، تشکک اور قنوطیت پر غالب آجاتے تھے۔ آج کے دور کا انسان بھی اسی یقین کی قوت سے محروم ہو کر مایوسیوں کے اندھیروں میں ڈوبا ہے۔ وہم وگمان کا شکار شخص اندھیروں میں سفر کرتا ہے۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے　　　وہ درویشی کے جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (۲۴)

گمان آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا　　　بیاباں کی شب تاریک میں قندیلِ رہبانی (۲۵)

انہوں نے مسلمانوں ے علمی وروحانی ورثے میں سے حیات افزا اور حیات کش عناصر کو الگ کرنے کی سعی بھی کی۔ اس راہ پر گامزن ہونے کے لیے ضروری تھا کہ قوم میں خود اعتمادی اور یقین پیدا کیا جائے۔ کیونکہ یقین کی یہ غیر مری قوت فرد میں تعمیرِ ملت کا جذبہ اور اپنے مقصد کے حصول کی تڑپ پیدا کرتی ہے:

نقطہ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں　　　اور یہ عالم تمام وہم وطلسم و مجاز (۲۶)

اقبال کے نظریہ اخلاق میں فقر کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا، فقر میرا فخر ہے۔ حب مال و منال سے آزاد ہو کر ریاضت الٰہی میں وقت صرف کرنا فقر ہے۔ اس میں تسلیم و رضا اور ذوق و شوق پایا جاتا ہے۔ مصائب و آلام سے نبرد آزما ہونے کی قوت بھی فقر سے ملتی ہے۔ یہ قدر بالذات ہے، جس سے ایک طرف غلط اقدار و شر کا خاتمہ ہوتا ہے اور دوسری جانب اعلیٰ اقدار کو فروغ رہتا ہے۔ اگر انسان اس وقت فقر کی حفاظت نہ کر پائے تو پھر اسیر خواہش ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے فقر و شاہی ہیں اتحاد لازمی ہے:

نگاہِ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے (۲۷)

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوت حیدری (۲۸)

انہوں نے اسلام کے نظریہ اخوت و اخلاق کو اپنا کر اجتماعیت، انسانیت اور فلاحِ امت کا پیغام دیا۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں بھی انہوں نے اخلاقی نصب العین میں اسلام کو بنیادی عنصر قرار دیا۔ جس سے منتشر و متفرق افراد میں اتحاد اور اخلاقی شعور پیدا ہوتا ہے۔ اانہوں نے اخلاق کو زندگی کے دیگر شعبوں سے الگ نہیں کیا بلکہ وحدتِ حیات کے تحت دین و دنیا کو یکجا کرنے کی سعی کی۔ اقبال جانتے تھے کہ اسلامی تمدن میں ایک خاص اخلاقی روح پائی جاتی ہے، جس سے خوشگوار معاشرہ جنم لیتا ہے اور اگر سربراہانِ قوم اپنے اس اخلاقی فرض کو ادا نہ کریں تو قوم میں بددلی، نفاق اور ہزیمت کا احساس جنم لیتا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی قوم کو اجتماعیت کی راہ دکھاتے ہوئے کہا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی (۲۹)

اقبال فرد کو معاشرے کے لیے کارآمد بنانے کے لیے اس کی کردار سازی میں اس کی سیرت کو سنوارنے پر زور دیتے ہیں تاکہ اس میں ہمدردی کا احساس اجاگر ہو۔ اس حوالے سے سید عبدالصبور لکھتے ہیں:

"حسنِ اخلاق اور سیرت و کردار کی بلندی سے مقصود یہ ہے کہ انسان دنیا کے نظامِ تمدن میں ایک عضو مفید اور فردِ صالح کی حیثیت اختیار کرے، دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔ اپنے بنی نوع کے ساتھ ایک فرد معاون بن کر زندگی

بسر کرے یعنی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ دکھ درد کو اپنا درد سمجھے، اور اس
کی ضرورت میں کام آئے۔"(۳۰)

دی عشق نے حرارتِ سوز دروں تجھے
اور گل فروش اشکِ شفق گوں کیا مجھے (۳۱)

اقبال کی شاعری میں جستجو کو لازم قرار دے کر انسان میں پنہاں خوبیوں کو نکھارنے اور دوسروں کی مدد کے جذبے کو ابھارنے پر زور دیا گیا، سقراط نے کہا تھا نیکی علم ہی کی ایک قسم ہے، یعنی نیکی کا ادراک ہو جانے پر فرد اس پر عمل کرتا ہے اور برائی سے اجتناب کی راہ اپناتا ہے۔ علامہ اقبال نے انسانی ہمدردی کو اپنی نظم "آفتاب صبح" میں اس طرح بیان کیا جس میں خدا کی محبت کے ساتھ اس کی مخلوق سے محبت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے:

دل میں ہو سوز محبت کا وہ چھوٹا سا شرر		نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر
شاہد قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو		سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو (۳۲)

انسانی ہمدردی نسلِ انسانی کو باہم مربوط کرنے کے لیے رواداری اور مساوات بھی سکھاتی ہے۔ شخصی آزادی کی اس کیفیت میں کسی قسم کے ڈر خوف یا اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھے بغیر اپنی شخصیت کو مستحکم کرتے ہوئے لوگوں کو آزادی اظہار کا حق ملتا ہے۔ حقیقی رواداری عقلی و روحانی وسعت پر منحصر ہے۔ جیسا کہ سعید احمد رفیق نے کہا:

"اپنے خیالات، عقائد اور نصب العین پر محکم یقین رکھتے ہوئے اور ان کے لیے
کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے دوسروں کو ان کے خیالات و افعال میں
آزادی دینا اصل رواداری ہے۔"(۳۳)

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں (۳۴)

جرات مندی بھی اخلاقی قدر ہے۔ جادۂ حیات میں وہی لوگ کامیاب و کامران ہوتے ہیں جو ہر پل انتھک محنت کو اپنا شعار بنا کر راہ میں آنے والی ہر مشکل کا جرات و قوت سے سامنا کرتے ہیں ورنہ طاقتور قومیں کمزور قوموں پر غالب آکر انہیں اپنا محکوم بنا لیتی ہیں۔ قوت کا توازن قائم رکھنے کے لیے یہ درس فطرت ہے کہ خود کو ایمان کی

طاقت سے مضبوط بنایا جائے۔ یہی جرات و قوت ظلم و استنداد سے لوگوں کو نجات دلا سکتی ہے۔ اس کے لیے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا حوصلہ درکار ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے　　ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات (۳۵)

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ　　پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار　　اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے (۳۶)

دنیا کو ایک رزم گاہ سمجھا جائے تو قوت بازو اور ہمت جیسی اعلیٰ اقدار سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسی سے امن و آشتی قائم رہتی ہے۔ اگرچہ انفعالی پہلوؤں سے بھی اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں لیکن قوم کی حالت کے پیشِ نظر بعض اوقات توکّل، قناعت، بردباری، خاکساری، عفو در گزر، تسلیم و رضا اور قناعت جیسی صفات کو چھوڑ کر قوت کی راہ اپنانی پڑتی ہے تاکہ اخلاقیات کی ایجابی راہ اپنائی جا سکے۔ ہمت و جرات ہی وہ جوہر ہیں جن سے ہر لمحہ لیس ہو کر تمام خطرات کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ جرات مندی میں حق گوئی اور بے خطر اپنے جذبات کا بیان بھی شامل ہے۔ جب حق گوئی و حق شناسی کا وصف خاص کسی کی شخصیت کا جزو لازم بن جائے تو وہ رزم گاہ حیات میں شمشیر بے نیام تھام سکتا ہے۔ اقبال نے انسانوں کو ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کی جانب متوجہ کیا جو طاقت ور کو عاجزی سکھاتی ہیں اس کی اساس دین پر استوار ہے:

"اسلام جو اخلاقی نمونہ کمال دینے کی کوشش کرتا ہے اسکی روشنی میں ایک ایسے فرد کی تخلیق ہوتی ہے جو اعلی اقدار و صفات سے تہی نہیں ہوتا۔ اس کی طاقت اندھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ اعلی مقاصد اور نصب العین سے مملو ہو کر تمام انسانیت کے لیے ترقی و ارتقا کا ضامن ہوتا ہے۔" (۳۷)

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (۳۸)

خام ہے جب تک کہ ہے مٹی کا اک انبار تو　　پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو (۳۹)

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں　　وہ گلستاں کہ جس کی گھات میں نہ ہو صیاد (۴۰)

انسانیت کی فوز و فلاح ظاہری طمطراق پر نہیں بلکہ باطنی خوبیوں کو فروغ دینے میں ہے۔ ایسی ہی ایک خوبی رجائیت بھی ہے۔ رجائیت پسندی کا یہ وصف انسان کو مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

"وہ بہت رجائیت پسند انسان تھے، اور کائنات میں انسان کی حیثیت، اس کے مستقبل اور دنیا جہان کے بارے میں ہمیشہ پر امید رہے۔ ان کا فلسفہ خودی اور تصور عشق، انسان کو اس کے خلیفۃ الارض کی حیثیت یاد دلا کر اسے حوصلہ عطا کرتا اور تگ و تاز حیات میں جدوجہد پر ابھارتا ہے،"(۴۶)

عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام　　یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک(۴۷)

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا(۴۸)

کلام اقبال کا عمیق مطالعہ کوتاہ نظری و کم ہمتی سے اجتناب اور اخلاقیات کے احیاء کی راہ دکھاتا ہے۔، جہاں فکرِ اقبال کے انقلابی رنگ نے اقوام عالم کو ان کا گرویدہ بنا دیا وہیں ان کے کلام و افکار میں موجود بنیادی انسانی اقدار اور ان کے حصول کے مراحل بھی قابل قدر ہیں انہوں نے ایجابی انفرادی و اجتماعی صفات کے ذریعے اعلی اخلاقی اقدار کی ترویج کی۔ ان کا پیغام خودی، عشق، یقیں، فقر، عمل، رواداری، مساوات اور جرات مندی کے ذریعے لوگوں کو توحید و رسالت سے ملنے والی طاقت کو استعمال کر کے راہِ رجا پر لانے کا کام کرتا رہا۔ قحط الجال کے اس دور ہمیں از سرِ نو اقبال کے نظریہ اخلاق کی تفہیم اور پیغام کی نکہت کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔ ان کے افکار و نظریات جس قدر انیسویں صدی میں انقلاب آفریں تھے عہد حاضر میں بھی ان میں وہی رعنائی و صداقت پائی جاتی ہے جو انہیں دیگر شعراء سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔ ان کا پیغام زمان و مکان سے ماوراہو کر آفاقیت کا حامل بن جاتاے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے کلام کو کماحقہ سمجھنے کی سعی کی جائے اور ان کے عالمگیر پیغامِ امن و محبت اور مساوات و رواداری کو عام کیا جائے۔

حوالہ جات

۱- اسلامی انسائکلوپیڈیا۔ مرتبہ:۔ سید عاصم محمود۔ لاہور: الفیصل ناشران۔ س۔ن، ص ۱۶۲

۲- ابصار احمد، ڈاکٹر۔ فلسفہ اخلاق: چند مغربی مفکرین کے نظریات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔ ۱۹۸۹ء، ص ۶۷

۳- یوسف شیدائی، پروفیسر۔ مطالعہ اخلاقیات۔ لاہور: عزیز پبلشرز۔ ۱۹۸۴ء، ص ۲۸

۴۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریہ اخلاق۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۲۴
۵۔ خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال۔ لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۔۱۶۷
۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال (اُردو)، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص ۵۸۵
۷۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریہ اخلاق۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۲۔
۸۔ ایضاً، ص ۵۵۸
۹۔ ایضاً، ص ۴۲۲
۱۰۔ ایضاً، ص ۶۸۳
۱۱۔ ایضاً، ص ۳۶۸
۱۲۔ بحوالہ بریفالٹ، مشمولہ "ڈاکٹر اقبال اور نئی نسل۔ ملک حسن اختر۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۴۷
۱۳۔ گوہر ملسیانی۔ عصرِ حاضر کے نعت گو۔ جلد اول، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۱۳ء، ص ۷۹
۱۴۔ ایضاً، ص ۴۰۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۵۹
۱۶۔ ایضاً، ص ۵۷۳
۱۷۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریہ اخلاق۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۲
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۸۹
۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۸
۲۰۔ ایضاً، ص ۳۵۹
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۹۱
۲۲۔ ایضاً، ص ۴۲۴
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۴۷
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۸۸
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۰۱

۲۶۔ ایضاً، ص۴۲۴

۲۷۔ ایضاً، ص۳۷۹

۲۸۔ ایضاً، ص۲۸۰۔

۲۹۔ ایضاً، ص۲۷۷۔

۳۰۔ عبدالصبور طارق، سید، علامہ اقبال اور قرآن اولیٰ کے مسلمان مجاہدین۔ لاہور: فیروز سنز،۱۹۸۸ء، ص۳۴۸۔

۳۱۔ ایضاً، ص۷۵۔

۳۲۔ ایضاً، ص۸۱-

۳۳۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریہ اخلاق۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص۴۷۔

۳۴۔ ایضاً، ص۳۰۲۔

۳۵۔ ایضاً، ص۴۸۷۔

۳۶۔ ایضاً، ص۲۸۸-

۳۷۔ شاہدہ ارشد۔ اخلاقیات کے پانچ نظریے۔ لاہور: فیروز سنز۔ سنہ ندارد، ص۱۵۲

۳۸۔ ایضاً، ص۳۸۶-

۳۹۔ ایضاً، ص۲۸۸-

۴۰۔ ایضاً، ص۳۴۸۔

۴۱۔ رفیع الدین ہاشمی۔ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔ ۲۰۰۴ء۔ ص۸۲

۴۲۔ ایضاً، ص۳۹۴۔

۴۳۔ ایضاً، ص۳۶۲۔